ĪQĀN- Vol: 03, Issue: 02, Jun-2021
DOI: 10.36755/iqan132.2021-PP: 01-22

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

قرآن کے تصورِ امن کی عصر حاضر میں سماجی ضرورت واہمیت

Social Need and Importance of the Qur'anic Concept of Peace in the Present Era

***Dr. Tanveer Qasim,** < tanveerqasim@yahoo.com >
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology, Lahore, Pakistan.
****Dr. Jamil Akhtar,** < jamillahori@gmail.com >
Lecturer, Department of Islamic Studies,
University of Gujrat, Gujrat, Pakistan.

Version of Record
Received: 12-Mar-21; **Accepted**: 01-Jun-21; **Online/Print**: 30-Jun-21

ABSTRACT

According to Quranic teachings, there is no alternative to peace which is the real goal of Islam. Peace in social life is a state where all the routines of life are going on without any violence. The concept of peace is defined as a healthy, positive, and mutually civilized human relationship. Because of the growing terrorism in the world, it is the need of time to spread the message of peace all over the world, for which the teachings of the Qur'an can play a very important role in this regard. For this, the true teachings of the Qur'an and its correct interpretation must be communicated to all people so that no person/institution can mislead the people. Islamic teachings bear witness to the fact that Islam and Quranic teachings do not encourage terrorism and such incidents. The world has seen a wonderful demonstration of peace under the leadership of the Holy Prophet. This research article highlights that the concept of peace provided by the Qur'an is comprehensive, lasting and uniform, and useful for all humanity, and the same formula can be followed to bring about reform. This paper concludes that peace is possible just with the teachings of the Qur'an.

Keywords: *Ḥadīth, Islām, Islāmic teachings, Peace, Qurʾān, Terrorism.*

CC BY

تعارف:

اسلام کی نظر میں امن کا کوئی متبادل نہیں، اسلام کا مقصود حقیقی امن ہے۔قرآن مجید میں لفظ "السلام" یعنی سلامتی، چوالیس مرتبہ وارد ہوا ہے جبکہ "الحرب" یعنی جنگ کا لفظ قرآن میں فقط چھ مقامات پر آیا ہے۔ہر مسلمان لفظ السلام نماز اور معمولاتِ زندگی میں روزانہ بیسیوں مرتبہ استعمال کرتا ہے۔ سماجی زندگی میں امن اس کیفیت کا نام ہے جہاں تمام معمولات زندگی بغیر کسی اختلاف، تشدد یا لڑائی جھگڑے کے رواں دواں ہوں۔ امن کا تصور معاشرہ کے صحت مند، مثبت اور باہمی ہمدردی پر مبنی انسانی میل جیل کی کیفیت پر مبنی ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں رہنے والے سبھی افراد کو معاشی، سیاسی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ ملتا ہے۔ عموماً معاشرے میں بدامنی پھیلانے میں عدمِ تحفظ، سماجی انحطاط، غیر متوازن معاشی اور سیاسی حالات، قوم اور نسل پرستی جیسے عوامل شامل ہوتے ہیں۔اسلام اس قدر امن وسلامتی کا پیکر ہے کہ دوران جنگ اگر دشمن سلام کا کلمہ زبان سے بول دے تو اسے مسلمان خیال کرنا اور اس سے لڑائی روک لینا واجب ہے۔ امن کی عمومی تعریف میں کئی معنی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر امن کو تحفظ، بہتری، آزادی، دفاع، قسمت اور فلاح کے نام سے معروف ہے۔ معاشرے میں ہر فرد انفرادی طور پر امن کا متمنی رہتا ہے جبکہ مجموعی طور پر کسی بھی خطے کا پورا معاشرہ امن کا محتاج ہوتا ہے۔ ظلم، بربریت، جارحیت، غارتگری، ناانصافی شرانگیزی اور دہشت گردی کو روکنا جہاد کا مقصدِ وحید ہے۔اسلام سلامتی وامن کا دین ہے۔ مسلمانوں نے تلوار اس وقت اٹھائی جب فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے سفارتی سطح پر تمام کوشش ناکام ہوگئیں اور باطل استحصالی قوتوں کے قلع قمع کے لیے طاقت کا استعمال ناگزیر ہوگیا۔ بحیثیت دین امن اسلام کی ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں پیغمبرِ اسلام ﷺ کو تو رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا۔اسلام کی تعلیمات زمان ومکان کی حدود سے ماوراء، قیامت تک انسانی حقوق کے تحفظ کی علمبردار، علم ودانش کی آبرو اور حکمت وتدبیر کا وقار ہیں۔اسلام امنِ عالم کا سب سے بڑا داعی ہے۔اس میں جنگ فی نفسہٖ مطلوب نہیں بلکہ جنگ امن کی حفاظت کیلئے کیا جانے والا ناگزیر اقدام ہے۔اسلام میں جنگ کا جواز صرف مجبوری کے عالم میں ہے خواہ وہ دفاعی ہو یا اقدامی۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے جنگ کی تمنا سے منع فرمایا ہے۔البتہ اگر دشمن کی طرف سے جنگ مسلط کردی جائے تو پھر یہ استقامت وجفاکشی سے مقابلے کا درس دیتا ہے۔ رحمت عالم اور محسنِ انسانیتؐ کی حیات مبارکہ میں دشمنوں کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں کا نتیجہ پائیدار امن کی صورت میں سامنے آیا۔انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نشوونما ایک ایسے نظام حیات کے بغیر ممکن نہیں جو ہر سطح پر ہر مرحلے پر امن وسلامتی کی ضمانت فراہم نہ کرتا ہو۔

امن کے لغوی معانی ومفاہیم:

امن جس کا مادہ "ا م ن" ہے۔ یہ عربی زبان سے مشتق ہے لغوی اعتبار سے اس کے بہت سے معانی ہیں۔ جیسا کہ ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد کسی کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرلینا یا کسی کو امن عطا کرنا ہے، نیز امن خوف کا متضاد بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے امانت کا لفظ مشتق ہے جو کہ خیانت کی ضد ہے۔ایمان بھی اسی لفظ کا مشتق ہے جو کہ کفر کا متضاد ہے نیز ایمان کا معنی تصدیق کرنا کے بھی ہیں جو کہ کسی کی تکذیب کرنا کے متضاد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ اس پر ایمان لائے جب کہ کچھ لوگوں نے اس کی تکذیب کی۔[1]

لفظ "امن" اطمینان کے علاوہ سلام، سلامتی اور بے خوف ہو جانے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ احمد رضا اس لفظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں: 'اِمن: اِمنا واِمانا واِمنا واِمنۃ واِمنا: زال خوفہ وسکن قلبہ فھوآمن'[2] یعنی لفظ امن کے کئی مشتقات ہیں جیسا کہ اِمنا، واِمانا، واِمنۃ اور اِمنا وغیرہ اور یہ سب خوف کو ختم کر دینے، دل کو مطمئن کر دینے اور بے فکر کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی امن کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں۔ اِمن، اِمانۃ اور اِمانٌ یہ سب اصل میں مصدر ہیں اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطورِ امانت رکھی جائے"۔[3]

قرآن اور لفظ امن:

قرآنی اصطلاح میں امن ایک تقابلی صفت ہے۔ المعجم المفھرس کے مادہ امن، سکن اور خوف کے تحت درج معانی میں اصطلاح امن اکثر و بیشتر خوف ہی کے مقابلہ میں استعمال کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے پناہ اور امان دینا اور خطرات سے مامون و محفوظ ہو جانا وغیرہ۔ قرآن مجید میں اڑتالیس مقامات پر امن کے مشتقات اس کے تقابلی صفت ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً اِمنین، اِمن، اِمنون، اِمنا، اِمن، اِمنا وغیرہ۔ جب کہ سکون و مساکن کل ۳۸ مقامات پر، اطمینان اور اس کے مشتقات ۱۲ مقامات پر اور سکون بمعنی سکینہ اور تسکین ۱۳ مقامات پر مجرد صفت کی حیثیت سے استعمال ہوئے ہیں۔ جبکہ خوف کے مشتقات قرآن حکیم میں ایک سو سترہ مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی لغت کے یہ جملہ الفاظ اور تراکیب امن کی ایک خاص روح اور درج ذیل معانی کا احاطہ کرتے ہیں:

- مومن کا لفظ بھی "امن" کے مادہ سے مشتق ہے اور سلامتی و پناہ کے معنی اس میں شامل ہیں اسمائے حسنیٰ میں ایک نام "السلام" کے معنی بھی امن اور سلامتی عطا کرنے والے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام "المؤمن" بھی ہے جس کے معنی بھی امن عطا کرنے والے کے ہیں۔ سبل السلام اور دار السلام کی جملہ تراکیب اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے جس بات کے اظہار کے لیے استعمال کی گئیں وہ یہی ہے کہ سب کے سب امن و سلامتی والی زندگی کے دائرے میں آ جائیں اور چاہئے کہ انسان سلامتی اور امن کے گھر تک پہنچنے کے لیے امن کے راستے تلاش کرے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا اگر یہ لوگ ایسے ایمان لائیں جیسے اے مومنین! تم ایمان لائے ہو تو پھر سمجھا جائے گا کہ یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں"۔[4] اسی طرح سورۃ انعام میں فرمایا: "پس دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ امن کا زیادہ حق دار ہے"۔[5]
- لفظ امن درج ذیل آیات میں اعتبار، بھروسہ اور یقین آنے کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ناقۃ آمون اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو قوی اور عادات کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ مسلسل سفر سے کمزور نہیں ہو جائے گی اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گر نہیں پڑے گی۔ سورۃ یوسف میں آتا ہے کہ "اور تو ہماری بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔"[6] اسی سورۃ کی آیت ۶۲ میں ہے: "میں اس کے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا سوائے اس کے جس طرح میں نے پہلے تمہارا اعتبار کیا تھا"۔[7] لہٰذا یہاں اس لفظ سے مراد امن کی ضمانت دینے والا ہے، جس پر بھروسہ کر کے انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے یعنی امنِ عالم کا ضامن مثلاً قرآن میں بلد امین، آمنین وغیرہ اسی تصور کی عکاسی کرتے ہیں۔

اسی طرح یقین کرنا، اطاعت کرنا، یعنی بات ماننا، سر تسلیم خم کرنا یعنی انکار نہ کرنا، تصدیق کرنا یعنی سچے ہونے کا اقرار کرنا اور تکذیب نہ کرنا بھی امن کے معانی ومفاہیم میں داخل ہیں۔

قرآن کا تصور امن:

قرآن کا تصورِ امن عدم خوف کی حالت اور تحفظ جان ومال وعزت وآبرو کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کے تعلق سے امن کے یہ معنی ہیں کہ تمام لوگ بلا خوف وخطر اور اللہ کی امان میں سفرِ حیات طے کریں اور یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ سارے انسانوں کا خالق ایک ہے اور وہ سب ایک ہی انسان کی اولاد ہیں اگر وہ حیاتیاتی اعتبار سے ایک ہی نوع سے متعلق ہیں تو پھر باہمی انتشار اور فساد کیوں برپا ہو؟ یہ درست ہے کہ آبادیوں اور نسلوں کے پھیلاؤ میں نسلی حقوق کے احساسات بھی اُبھرتے ہیں اور باہمی نزاع کا باعث بن جاتے ہیں مگر قرآن مجید ان نسلی اور قومی گروہوں کے وجود کو بھی کسی باہمی فوقیت کی بنیاد نہیں بناتا بلکہ اس کا موقف یہ ہے کہ اونچ نیچ کا کوئی تصور ان سے قائم نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ صرف باہمی شناخت اور پہچان کی ایک صورت ہے۔ اس سے ذات پات کا وہ تصور بہر حال نہیں اُبھرنا چاہئے جو بالآخر معاشی امن کو تہہ وبالا کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالے نے تمام انسانوں بنی آدم کہہ کر مخاطب کیا ہے یعنی تمام ابن آدم ہونے کے ناطے بھائی بھائی ہیں۔ نسلی، وطنی یا رنگ ونسل کے اعتبار سے ایک دوسرے پر کسی کو فوقیت نہیں بلکہ معاشی اعتبار سے بھی مساوات انسانی منشاالٰہی ہے۔ یعنی تمام انبیاء صرف اللہ کا پیغام پہچانے آتے ہیں مال جمع کرنے نہیں آتے اور معاشی امن کی بنیاد ہی معاشی طور پر انسانوں میں مساوات قائم کرنا ہے اور فلاحی معاشرہ ہی پر امن معاشرہ ہوا کرتا ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ہم نے تمہارے گروہ اور قبائل بنائے تاکہ تمہاری پہچان ہوسکے، یقینا اللہ کی نظر میں زیادہ عزت دار وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے"۔[8] ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آدم اور حوا علیہا السلام کی طرف نسبت کے اعتبار سے تمام لوگ برابر ہیں جب کہ مذہبی امور میں لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت ہے اور ان مذہبی امور میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی پیروی بھی آجاتی ہے۔[9]

اللہ تعالیٰ نے یہ اصول وضع فرمادیا کہ روئے زمین پر وہی افراد یا نظام قائم رہے گا جو انسانیت کی بھلائی اور خیر کا ضامن ہوگا، جیساکہ سورۃ رعد میں فرمان الٰہی ہے کہ جو چیز انسانوں کے لیے نفع رساں ہے وہی روئے زمین پر قرار پاتی ہے۔[10] اس لیے اسلام میں اصلی حالت امن ہے اور جنگ ایک عارضی امر ہے جس کا تدارک ضروری ہے اور اسے بلاضرورت مسلط نہ کیا جائے اور نہ ہی طول دیا جائے۔

صلح جوئی:

جنگی حالات ختم کرنے کے لیے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو دوسرا اصول یہ عطا فرمایا کہ اگر آپ کا مدِّ مقابل جنگ ختم کرکے امن و سلامتی اور صلح وآشتی پر آمادہ ہو تو مسلمان بھی سلامتی کا راستہ اپنائیں۔ جیساکہ سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا کہ اور اگر وہ (دشمن) امن وسلامتی کی جانب مائل ہوں تو آپ بھی اسی جانب جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔[11] اس آیت سے یہ اصول ملتا ہے کہ جنگ ایک وقتی امر ہے، اسے طول دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب دشمن امن وسلامتی کا طالب ہو تو مسلمان کو بلاجواز جنگ کو طول دینے سے منع کیا گیا ہے۔

جارحیت سے اجتناب:

قرآنِ حکیم نے یہ اصول بھی عطا کیا ہے کہ مسلمان کسی حال میں بھی اعتداء (Agression) کا ارتکاب نہیں کریں گے اور اگر ان پر زیادتی کی جائے تب بھی وہ جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ پس جو آپ پر زیادتی کرے آپ بھی اس پر زیادتی کریں لیکن اسی قدر زیادتی کریں جس قدر اس نے آپ پر زیادتی کی ہو۔[12] اسی اصول کے ذریعے یہ اجازت دی جارہی ہے کہ دشمن سے صرف برابری کا سلوک کیا جائے اور اس پر زیادتی نہ کی جائے۔ انسانی معاشرے میں بالعموم فساد خلق کی ایک صورت اس وقت بھی پیدا ہو جایا کرتی ہے جب انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر اُتر آئے۔ قرآن نے اس رویے کو بھی ایک مثبت شکل دے دی ہے اور برائی کا جواب برائی کی بجائے نیکی اور حُسنِ سلوک سے دینے کی تعلیم دی ہے جو ہر چند کہ ایک مشکل کام ہے مگر اسلام جو انسان دنیا میں کھڑے کرنا چاہتا ہے ان سے مشکل ترین کام کی نہ صرف توقع کرتا ہے بلکہ انہیں اس کی تربیت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نیکی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی، اگر کوئی تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرے تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اس سے تمہارا بدترین دشمن بھی تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔ ایسا کرنے کی توفیق صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔[13]

قرآنی تعلیم کا طرز دعوت اور اسلوب منفرد ہے۔ قرآن کا عمومی اسلوب تقریری ہے اور اس میں سماجی پس منظر اور مخاطب کے مزاج کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے پیش کردہ امن کے بارے میں اصول کسی سورہ میں یکجا بیان نہیں ہوئے بلکہ متعدد سورتوں میں بقدرِ ضرورت مختلف اصول بار بار مگر نئے انداز میں بیان ہوئے ہیں اور عمیق ترین گوشوں تک سے موضوعاتی تعلق قائم کرکے اس کی اہمیت کو جلا بخشی گئی ہے تاکہ زمان و مکان کی قید سے ماوریٰ تمام مخاطبینِ قرآن ان جلیل القدر اصول و اقدار کا فہم حاصل کرسکیں۔ قرآن حکیم جامع نظامِ امن و سلامتی پیش کرتا ہے۔ جو بھی اس تعلیم کی حقانیت پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہے اور اس کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس کا شمار امنِ عالم کے ہراول دستے میں ہوتا ہے۔ ہر آفاقی تحریک کو اپنے آغاز کار میں مخاطب کی زبان، اس کے مزاج، اس کی عقلی سطح اور اس کی تعداد وغیرہ کا خیال رکھ کر اپنا آفاقی پیغام پیش کرنا پڑتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ تحریک اپنے انقلابی و آفاقی سفر پر رواں دواں ہو کر انسان سازی کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتی ہے جس کے ابدی اثرات سے نہ صرف تاریخ کے اوراق میں رقم ہوتے ہیں بلکہ اس کے عملی مظاہروں سے ایک دنیا آشنا ہوتی ہے۔ پھر اس دعوت و عزیمت کی تحریک میں مصائب و آلام کے پہاڑ ریت کا ڈھیر ثابت ہوتے ہیں۔

رواداری اور عدل وانصاف:

فرمانِ الٰہی ہے کہ تم دوسروں کے دیوی دیوتاؤں اور اکابرینِ مذہب کو بُرا مت کہو مبادا وہ تمہارے رب کو بُرا بھلا کہیں۔[14] مذہبیت کے جنون میں یہی وہ نازک مراحل ہوتے ہیں جہاں باہمی جھگڑے اور فساد کھڑے کیے جا سکتے ہیں نبی اکرمؐ کا رویہ قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ایسے تمام امکانات کو ختم کرتا ہے بلکہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ "ہم رسولوں میں کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے"[15] کا اعلان کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کیا تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ باایمان ہو جائیں۔[16] امن و

عافیت کے رشتے ہمیشہ عادلانہ رویوں سے قائم ہوتے ہیں اور عدل ایک ایسی چیز ہے کہ جس میں اپنے اور بیگانے کی تمیز اٹھ جانی چاہئے۔ جانبدارانہ رویہ عدل کی بجائے ظلم کو راہ دیتا ہے اسی باب میں پھیلی ہوئی بد گمانیاں معاشرتی فساد کی بنیاد بن جاتی ہیں قرآن مجید نے اس کی جڑ بھی یہ کہتے ہوئے کاٹ دی کہ کسی قوم کی دشمنی مسلمانوں کو اس قوم سے بے انصافی پر آمادہ نہ کرے دامنِ عدل کبھی بھی نہ چھوڑ کیونکہ خداخوفی کے رویے سے یہی زیادہ قریب ہے۔[17]

معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں کہ وہ دوسروں پر انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں زیادتی ہو جائے یا کوئی دوسرا زیادتی پر اتر آئے تو ان صورتوں میں زیادتی کا جواب دینا ہی لازم ٹھہرے تو قرآن مجید یہ اصول بیان کرتا ہے کہ یعنی کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس کے جواب میں اسی کے برابر زیادتی کر سکتے ہو۔[18] ظاہر ہے کہ یہ عوض معاوضہ (بدلہ) برابر کی حد تک ہے اور اسی میں عافیت کے سامان ہیں جیسے کہ قتل کے بدلے میں قاتل کی موت یا قصاص میں معاشرتی عافیت کے سامان ہیں اگرچہ قرآن مجید یہاں بھی معافی کے رویے کو ترجیح دیتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے کہ اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔[19]

عفو در گزر:

معاشرتی زندگی میں انسان کے اندر صبر اور معافی کی روش کو اجاگر کرنا ایک بے حد مشکل کام ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاشرتی امن کے قیام کی خاطر انسان پر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے لیے معافی و بردباری کا حوصلہ پیدا کرے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ صلح جوئی اور معاف کر دینے کی روش اختیار کرنے والے کا صلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔[20] قیامِ امن کی خاطر مسلم معاشرے میں قرآن نے اس کا درج ذیل حل تجویز کیا ہے، فرمایا کہ اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرلے۔[21] اسلام گویا ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ ہر فرد اور ہر گروہ کو سیدھے راستے پر گامزن رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کو اپنے امن والے گھر (کعبہ) میں قیام کے اس احسان کو نو بار قرآن میں مختلف جگہوں پر دہرا کر امن کی اہمیت پر اس طرح مہر تصدیق ثبت کی ہے، فرمایا کہ کیا وہ لوگ اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ ہم نے حرم کو ایک پُرامن جگہ بنا دیا حالانکہ اس سے پہلے لوگ اس کے گرد و پیش سے اچک لیے جاتے ہیں ؟ کیا اس کے باوجود یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے انعامات کا کفران کرتے ہیں؟"[22]

فساد سے گریز:

اسی طرح امن کی مخالف و متضاد اصطلاح یعنی فساد کی قباحت و شناعت پر قرآن عظیم کی کم و بیش پچاس آیات ملتی ہیں، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے: "اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہر گز پسند نہیں کرتا۔"[23] بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ حالتِ عدمِ فساد کو پسند کرتا ہے۔ اور اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ اس کے قیام و تشکیل میں پورا زور صرف کر دیں۔ امن وامان کے قیام کے سلسلہ میں یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جنگ و قتال جس قوم کی گویا گھٹی میں پڑے ہوں اور جہاں جنگ سے دست بردار ہونا بزدلی کی علامت سمجھا جاتا ہو ان حالات میں نہ صرف صلح کی پیش کش کرنا، بلکہ بہ ظاہر دب کر صلح کر لینا اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب بن چکا

ہے۔اس سے ہماری مراد صلح حدیبیہ ہے جس کو قرآن حکیم فتح مبین قرار دیتا ہے، جیساکہ فرمایا: "اے (نبیؐ) ! یقیناً ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی"۔[24]

مسلم تشخص:

اسلام مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور پوری دنیا کے لیے بالعموم امن وسلامتی کا پیغام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔[25]ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس سے سب لوگ (مسلمان ہوں یا غیر مسلم) محفوظ رہیں۔[26]یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر لوگ محفوظ رہیں۔

انسانی جان کی حرمت:

قیام امن کے لیے قتل وخونریزی سے اجتناب ضروری ہے۔اسلام بلا وجہ ایک انسان کا قتل، ایک انسان ہی کا نہیں پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی کو بنا قصاص کے قتل کیا یا زمین میں خرابی برپا کی تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔[27] مسلمان کو مومن اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امن پسند ہے یہ لفظ امن سے مأخوذ ہے جو متعدی اور لازم دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ متعدی کے معنی میں امن دینے کے ہیں جبکہ لازم میں پر امن ہونے کے ہیں گویا کہ مؤمن خود بھی پُر امن رہتا ہے اور اس کا علمبردار بھی ہوتا ہے۔اس لیے آپؐ کا ارشاد ہے: "مومن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کے جان ومال محفوظ ہوں"۔[28]

قرآن کا مطلوب انسان:

نبی پاکؐ کا کمال سیرت یہ ہے کہ اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے پیش کردہ وحی کو صرف قرآن کی صورت میں ہی تحریری شکل میں دنیا کے سامنے نہیں چھوڑا بلکہ سب سے پہلے خود ان احکامات پر عمل کرکے دکھلایا اور اپنے آپ کو اپنے عمل سے پیامبر امن وعافیت ثابت کیا۔ کسی بھی دوسرے فاتح سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ جب وہ واپس ان لوگوں کے درمیان لوٹتا جنھوں نے تیرہ برس ان پر اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں پر ظلم توڑا اور ہر قسم کا ستم آزمایا مگر نبی اکرمؐ نے فاتح مکہ کی حیثیت سے لوٹ کر سب سے پہلا اعلان ہی یہی فرمایا کہ جو شخص ابو سفیان کی حویلی میں پناہ لے، اور جو اپنا دروازہ بند کرلے، اور جو مسجد میں آجائے اس کے لیے امن ہے"۔[29]

فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کا کردار ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ جب تمام مجرم آپؐ کے سامنے گردنیں جھکائے کھڑے تھے کہ اب محمدؐ ہم سے انتقام لیں گے مگر آپؐ نے ان سے کوئی انتقام نہ لیا، آپ نے فرمایا کہ اے گروہ قریش! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا: خیر کا، آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔تب آپؐ نے تمام باشندگانِ مکہ کو یہ کہتے ہوئے معاف کردیا کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: "آج تم پر کوئی سرزنش نہیں! " جاؤ تم سب آزاد ہو۔[30]

حجۃ الوداع کے موقع پر رسالت مآبؐ نے اعلان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے تمام انتقامی خون معاف کیے گئے اور اسی ضمن میں میں سب سے پہلے اپنے کنبے کی طرف سے ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔[31]معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے اسلام کی

کوششیں ہمیشہ ایسی ہی رہی ہیں مگر افسوس کہ عصرِ حاضر کا انسان ان حقائق سے صحیح طرح روشناس نہیں ہو پایا ورنہ قوم، رنگ و نسل اور زبان کی وجہ سے جنم لینے والے تمام اختلاف اور جھگڑے از خود ہی ختم ہو جاتے۔

پیغمبر امن وسلامتی:

حضورؐ کی سیرت پاک وہ مینارہ نور ہے جس کی جھلملاتی روشنیوں کو اپنا پرچم بنا کر عازم سفر ہونے والے قافلے راہ عبودیت میں بھٹکتے ہیں اور نہ گمراہ ہوتے ہیں، نہ ان کے پایہء استقلال میں لغزش آتی ہے، نہ ان کا ایمان متزلزل ہوتا ہے، نہ باد مخالف راستے کی دیوار بنتی ہے اور نہ خوف شب خون ہی ان کے پاؤں کی زنجیر بنتا ہے۔ اپنے نصب العین سے غیر مشروط لگن انہیں رواں دواں رکھتی ہے۔ منزلیں خود بڑھ کر ان مسافروں کے تلووں کو بوسے دے کر اپنے اقبال کو سربلند کرتی ہیں، تمام نبیوں کے وہی امام اور تمام رسولوں کے وہی سردار اور ہم غریبوں کے بھی وہی ماوی و ملجی، جنہیں بعد از خدا بزرگ توئی کی خلعت فاخرہ سے نوازا گیا اور جن کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے جنہیں چلتا پھرتا قرآن کہا۔ کتاب دیدہ و دل کے ورق ورق پر انسانیت کے اس نجات دہندہ کی سیرت لکھی ہوئی ہے۔ اسی معلم اعظم کے نقوش پا کے آثار و حروف علم و دانش کی سجدہ گاہ ٹھہرے۔ جس نے فرمایا: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔[32] جس نے ارادہ یا پیش قدمی کو بھی جرم کا حصہ قرار دیا ہو " قاتل و مقتول دونوں جہنمی کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے قتل پر حریص ہیں"۔[33] البتہ وقوع جرم پر عدل و انصاف ہی قائم فرمایا ہو اور ساتھ یہ نوید بھی دی ہو کہ "تائب ایسا ہے جیسے گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔[34]

آپؐ کو بہ حیثیت ختم الرسل تکمیل دین اور اتمام شریعت کا عملی مظاہرہ مختلف شکلوں میں کرنا تھا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسلام کے داعیِ اول کے سوا تاریخ انسانی میں کوئی اور مثال نہیں ہے جس نے سب سے بڑی فتح کے وقت مخالف فوج کے سپہ سالار کو جو اس وقت تک اس کا سب سے بڑا دشمن بھی تھا، معاف کیا ہو اور نہ صرف معاف کیا ہو بلکہ یہ اعلان بھی کرایا ہو کہ دشمن کے کیمپ کا کوئی بھی شخص اپنے سپہ سالار کے ہاں پناہ لے لے تو وہ بھی مامون ہو جائے گا اور یہ معافی چاہے کسی صلح نامہ کی شرط کا حصہ نہ ہو۔ تئیس سالہ دورِ رسالتؐ میں ابتدائی تیرہ سال تک تو قرآن کی رو سے قتال ممنوع رہا اور دس سالہ مدنی دور میں کم و بیش بیاسی چھوٹی بڑی حربی کارروائیوں میں پورا جزیرہ العرب اسلام کے زیر نگیں ہو گیا اور اس آٹھ سالہ مہماتی مدت میں پورے جزیرۃ العرب اور اطراف میں امن و امان قائم ہو گیا۔ بعض دفعہ میدانِ جنگ میں ایک لاکھ سے زائد فوج بھی سامنے آئی، اس کے باوجود کل اسیرانِ جنگ کی تعداد ۶۵۶۵ ہے۔ جن میں ۶۵۶۴ مخالفین اور ایک مسلم ہے۔ کل مقتول ایک ہزار ایک صد اٹھارہ بشمول ۳۵۹ مسلم کو اگر ۸۲ غزوات وسرایا پر تقسیم کیا جائے تو فی جنگ ۸ء۱۱/۱۴ اوسط نکلتا ہے۔ اور کل مسلم مجروحین کی تعداد ایک سو ستائیس تھی۔ جبکہ میدان جنگ میں اسیر، زخمی اور مقتولین کی کل تعداد صرف ۷۸۱۰ ہے۔ یہ رسالت و حکمت، نعمت و رحمت اور آپؐ کا اخلاق اور معجزہ تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت پوری کر دی، اور اسلام کو تمہارے لیے بطورِ دین پسند کر لیا۔[35]

امن و سلامتی کے پیغام کو عام کرنا نبی پاک محمدؐ کے بنیادی مشن میں شامل تھا، آپؐ نے اس پیغام کو عام کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام قبول کرلو امن و سلامتی کی زندگی بسر کروگے۔[36] نبی کریم ﷺ کا طریق عفو و بخشش تھا۔ اس سلسلے میں حضرت کعب ابن زہیر کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ کعب ابن زہیر جو اپنے اشعار کے ذریعہ، اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا، جب اسے معلوم ہوا کہ آپؐ رسولِ رحمت ہیں تو اپنے اس شعر کے ذریعہ عذر خواہی کی اور مسلمان ہوگیا:

نبئت أن رسول الله أوعدني... والعفو عند رسول الله مامول[37]

میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ نے مجھے وعید دی ہے، رسول اللہ سے تو عفو و بخشش کی ہی امید کی جا سکتی ہے۔

۸ ہجری فتح مکہ کے موقع پر پرچم ہاتھ میں لئے ہوئے جب سعد ابن عبادہ یہ نعرہ لگا رہے تھے کہ "آج روزِ جنگ ہے"، تو رسالت مآبؐ نے سنا تو انھوں نے ان کو معزول کرنے کا فرمان جاری کیا اور ان سے پرچم لے کر دوسرے کے ہاتھ میں تھما دیا اور فرمایا کہ اس نعرہ کے بجائے یہ نعرہ لگایا جائے: "الیوم یوم المرحمۃ" کہ آج رحمت اور معاف کرنے کا دن ہے۔[38] مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں، کاروبار اور اموال سے محروم کرنے والے سخت دل مجرم لوگ فاتح کے سامنے دست بستہ موجود تھے۔ آپؐ چاہتے تو انہیں ان کی جائیدادوں اور اموال سے ویسے ہی محروم کر سکتے تھے جس طرح انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا لیکن تاریخ انسانی میں حسنِ کردار کی ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ جب صحابہ کرامؓ نے اپنے چھینے گئے مال اور جائیدادوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تب نبی مکرمؐ نے فرمایا جو جائیدادیں اور مال تم اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہو، انہیں واپس نہ لو۔ صحابہ کرامؓ نے پیغمبر اسلامؐ کے اس منفرد اور تابناک فرمان کے سامنے فوراً سر تسلیم خم کردیا۔ تاریخ عالم میں ایسی زریں مثالیں پیش کرنے والا فاتح جس مذہب کی تعلیم لے کر آیا ہے وہ حصولِ غنائم، جلبِ زر اور دوسروں کے وسائل معیشت و تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے قتال اور خون ریزی کی اجازت دے سکتا؟ ہرگز نہیں۔

مواخاۃ مکہ مکرمہ:

عام طور پر مواخاۃ کا ذکر محض انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارے کے طور پر کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کے درمیان گہرا رشتہ اخوت استوار ہوگیا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کے معاشی پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جسے رسول اللہؐ نے عمل مواخاۃ میں ملحوظ رکھا تھا۔ لیکن اگر مواخات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اور بہت سے دوسرے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہؐ کی فکر و بصیرت میں کس قدر وسعت و گہرائی تھی۔ رسول اللہؐ نے مواخاۃ دو مرتبہ کرائی۔[39] پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں صحابہؓ کے درمیان ہوئی۔ ان میں زیادہ تر لوگ مکہ مکرمہ ہی کے رہنے والے تھے لیکن کچھ ایسے حضرات بھی تھے جو حبشہ، فارس اور دیگر دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں صاحب ثروت بھی تھے اور غریب و نادار بھی، قریش جیسے سیاسی و معاشی طور پر مستحکم قبیلہ کے لوگ بھی تھے اور دیگر نسبتاً کمزور قبائل کے لوگ بھی تھے۔ اس لیے انہیں حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے خمیازہ کے طور پر اپنے ہی خاندان کی دشمنی مول لینا پڑی تھی۔ قبائلی نظام میں خاندان کی سرپرستی اور ضمانت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ سرپرستی اور تحفظ کی ضمانت ختم ہو جائے تو اس سے عدم تحفظ کا جو احساس ابھرتا ہے وہ بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس صورت حال میں یہ لوگ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ ان غلاموں کی تعلیم و تربیت جو اسلام قبول کرکے مسلم معاشرہ کا حصہ بن گئے تھے لیکن

علمی و فکری طور پر بہت پیچھے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معاشرہ میں کبھی بھی انسانیت کے مقام پر فائز نہیں سمجھا گیا تھا، نہ انہیں کبھی ایسے مواقع ہی مہیا کیے گئے تھے جس میں وہ علم و تربیت کی طرف متوجہ ہو سکتے۔ رسول اللہؐ نے ان دونوں مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ مواخاۃ کرائی۔ محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ نے مکہ مکرمہ کی مواخاۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے باہمی ہمدردی و تعاون کی بنیاد پر مواخاۃ کرائی اور یہ مکہ مکرمہ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔[40] یہ مواخات مندرجہ ذیل افراد کے درمیان کرائی گئی: سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ رسول اللہؐ کے آزاد کردہ غلام، سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا عثمان اور سیدنا عبد الرحمان بن عوف، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبیدہ بن الحارث اور سیدنا بلال بن رباح، سیدنا مصعب بن عمیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح اور سیدنا سالم الموالی ابی حذیفہ، سیدنا سعید بن زید اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم۔[41] اس موقع پر سیدنا علیؓ نے نبی مکرمؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! آپ نے ان لوگوں کے درمیان تو مواخاۃ کرادی، میں رہ گیا ہوں، میرا بھائی کون ہوگا؟ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔[42]

مواخاۃ مدینہ منورہ:

دوسری مرتبہ مواخاۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے تقریباً پانچ ماہ بعد انصار و مہاجرین کے مابین کرائی گئی۔ اس مواخاۃ کا آغاز سیدنا انسؓ بن مالک کے گھر سے ہوا۔ سیدنا انسؓ کے گھر پر جو مواخاۃ منعقد ہوئی اس میں ان انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا گیا جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ مورخین اور سیرت نگار پینتالیس اور پچاس مہاجرین کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اتنے ہی انصار کے ساتھ اس رشتہ میں وابستہ کر دیا گیا، اس طرح تقریباً پچاس مہاجر و انصار خاندان رشتہ مواخاۃ میں منسلک ہوگئے۔ بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا چنانچہ جو لوگ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آتے رسول اللہؐ کسی نہ کسی انصاری کا بھائی بنا دیتے۔ اس لیے کہ تاریخ و سیرت کی کتب میں اس سے کہیں زیادہ اسمائے گرامی ملتے ہیں جن کے مابین مواخاۃ کرائی گئی تھی۔ ابن ہشام نے سولہ مہاجرین اور سولہ انصار کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔[43] بلاذری نے انساب الاشراف میں بائیس انصار اور بائیس مہاجرین کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔ البتہ وہ بعض مورخین کی اس رائے کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ انصار و مہاجرین میں کوئی بھی ایسا نہیں بچا تھا جو سلسلہ مواخاۃ میں منسلک نہ کر دیا گیا ہو۔[44] یہ رائے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ جن مقاصد کے حصول کے لیے مواخاۃ کرائی گئی تھی ان کے لیے سب ہی کا اس میں شریک ہونا ضروری تھا۔ سیرت نگاروں اور مورخین نے ان انصار و مہاجرین کے ناموں کو جمع کیا ہے۔ ابن حبیب نے چھپن انصار اور چھپن مہاجرین کے نام ذکر کیے ہیں۔[45] ابن سید الناس نے پنتالیس انصار اور پنتالیس مہاجرین کے ناموں کا احاطہ کیا ہے۔[46] کچھ ناموں میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اگر تمام ناموں کو اکٹھا کیا جائے تو تقریباً پینسٹھ انصار اور پینسٹھ مہاجرین کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ اس طرح کل ایک سو تیس انصار و مہاجرین کے ناموں کو مورخین نے محفوظ کیا ہے جن کے درمیان مواخاۃ کرائی گئی۔ رسول اللہؐ کا مواخاۃ کا عملی قدم بہت کامیاب رہا اس لیے کہ انصار و مہاجرین کے اس قریبی تعلق و باہمی اخوت اور محبت اور تعاون سے ایک نئی تہذیب اور نیا تمدن وجود میں آیا، یہ عقیدہ کی قوت اور جذبہ عمل ہی تھا جس نے انصار کے دلوں میں اپنے مہاجرین بھائیوں کے لیے بے پناہ قربانیوں کا جذبہ پیدا کیا۔ مواخاۃ کا یہ عمل تا قیامت جاری ہے۔ تاہم وراثت میں شرکت قرآن کریم نے منسوخ کر دی ہے، لہٰذا وراثت میں شریک نہیں

کیا جاسکتا۔ انصار کی جانب سے جذبہ قربانی کو قرآن نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا، فرمایا کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔[47]

جہاتِ امن:

امن کو فروغ دینے کی لیے کئی جہات متعارف کرائی گئیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

پیغام وحدت:

نبی مکرمؐ بحثیت پیغمبرِ امن وعافیت دنیامیں مبعوث ہوئے اور آپؐ نے جس اجتماعی لہجے میں دنیا بھر کے لوگوں کو 'ایھاالناس' اے لوگو! سے خطاب کیا۔ قرآن مجید اس کا گواہ ہے تاریخ انبیاء میں آپؐ پہلے پیغمبر ہیں جن کا تخاطب کسی ایک قوم، قبیلے، نسل، گروہ یا لسانی اور جغرافیائی وحدت سے نہیں ہے بلکہ پوری نوعِ انسانی سے ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں کو آپؐ نے ایک پُرامن بنیاد پر جمع کرنے کے لیے انہیں ایک آدم کی اولاد قرار دیا تاکہ رنگ و نسل اور زبان وخطے سے تعلق کے باعث جو اختلافات اُبھر کر دنیا بھر کے امن کو تباہ کرسکتے، ان کی جڑیں کٹ جائیں اور ان امتیازات کی بنیادوں پر جو فسادات ابھرتے ہیں انہیں وحدتِ انسانی کے رشتے کا اساس ختم کرسکے، یہ خطاب پوری نسل انسانی کی بحثیت پیامبرِ امن وعافیت آپؐ ہی کا تھا۔

پیغام اخوت:

اسلام زندگی گزارنے کاایک جامع تصور دیتاہے اور مسائل زندگی کا جامع حل پیش کرتا ہے۔ آپ کی تعلیمات سے انسانوں کے ضمیر پاکیزہ ہوگئے، ان کی معاشرتی زندگی سنور گئی، عداوتیں محبتوں میں، خونی دشمن اخوتوں میں اور صدیوں کی بدامنی امن وسلامتی کی فضاؤں میں بدل گئی، اللہ تعالی نے اپنے اس احسان کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: "اور اللہ کے ان احسانات کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔[48]

ایک دوسرے پر سلامتی بھیجنا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ بے شک سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں رکھا ہے اس لیے تم آپس میں سلام پھیلاو۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ تو اس پر آپؐ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ تم کھانا کھلاؤ اور دوسری یہ بات کہ ہر شخص کو سلام کرو خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔[49] یہ قیامِ امن کیلئے ایسی شاندار تعلیم ہے کہ جب ہر آنے جانے اور ملنے والے شخص کو سلامتی، رحمت اور برکت کا پیغام دیا جائے گا تو پھر اس کے بعد کونسی بدامنی اور فساد باقی رہ جائے گا۔ آپ کی زندگی کا اہم گوشہ " بحثیت داعی امن واخوت " ہے کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو محبت واخوت کی لڑی میں پرو دیا جو معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار تھا اس میں توحیدِ الٰہی کے رشتے میں میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخاۃ " بھائی چارے " کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

اسلامی عقائد وعبادات منبع امن وسلامتی:

اسلام چونکہ دائمی امن وسلامتی کا علمبردار ہے اس لیے وہ نظامِ عقائد وعبادات کے ذریعے ایک مربوط اور پرامن شخصیت کا خواہاں ہے لہٰذا مجسمہ امن وسلامتی کے لیے عقائد وعبادات میں درج ذیل احکام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ متعدد معبودوں کی پرستش کی بجائے روحانی امن وسکون کے لیے نظریہ توحید کے پختہ اعتقاد پر زور دیتا ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی ملاوٹ نہیں کی، ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔[50]

امن وسکون تو اہل توحید کے لیے مقدر ہے جب اسے دوسروں کے عیش وتنعّم کے مقابلے میں اپنی بدحالی دیکھ کر پریشانی لاحق ہوتی ہے تو عقیدہ قضاء وقدر اس کے لیے سامانِ تسکین ثابت ہوتا ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی ہے، نفس کو سرکشی اور استکبار سے روکتی ہے اور اس کے اندر جذبہ شکر پیدا کرتی ہے، فرمایا کہ بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔[51] ایک دوسری جگہ فرمایا کہ کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ مگر نماز گزار، جو نماز کا التزام رکھتے اور بلاناغہ پڑھتے ہیں، اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے، یعنی مانگنے والے کا۔ اور نہ مانگنے والے والا کا، اور جو روز جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔[52] سورۃ البلد میں فرمایا کہ اس سے یہ نہ ہو گا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا اور کیا سمجھا کہ گھاٹی کیا ہے کسی گردن کو آزاد کرنا یا بھوک والے دن کھانا کھلا دینا کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاکسار مسکین کو۔[53] جس طرح کسی بڑی دشوار گھاٹی میں چڑھنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح یتیموں مسکینوں کی کفالت محتاجوں کی مدد یہ بھی بڑا مشکل کام ہے، مگر اس کو انجام دینا جہنم کی گھاٹی سے اپنے آپ کو بچا کر جنت الفردوس میں داخل ہونا ہے۔ بے شک صدقہ سکون وتزکیہ نفس کا سامان فراہم کرتا ہے، فرمایا کہ "اے پیغمبر! ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کردوگے۔[54]

روزہ دکھی انسانیت سے ہمدردی کا ذریعہ:

روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقوے سے دکھی انسانیت سے ہمدردی وغمگساری پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر خاص طور پر نوجوانوں کو شادی کی ترغیب دی بصورت دیگر جنسی جذبات کنٹرول کرنے کے لیے روزہ رکھنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو نکاح کرنے پر قدرت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ شادی کرے، کیونکہ یہ نظروں اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور جو نکاح نہیں کرسکتا اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے، اس لئے کہ روزہ اس (شہوت سے) بچنے کا ذریعہ ہے۔[55]

حج معاشرتی امن کے فروغ کا بڑا ذریعہ:

"الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ"[56]

دورانِ حج اور بالخصوص طواف میں نامحرموں سے اختلاط کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔ جب مختلف قومیتوں کے مرد اور خواتین کھلے چہرے کے ساتھ نظر آتے ہیں تو نگاہیں قابو میں نہیں رہتیں۔ دوسری جانب طواف کے دوران رش میں نامحرموں کے آپس میں ٹکرانے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن گناہ یہ نہیں کہ نامحرم پر نظر بالکل نہ پڑے بلکہ معصیت یہ ہے کہ ارادتا نظر ڈالی جائے، یا نظر پڑ

جانے پر لذت حاصل کی جائے یا بدن ٹکرانے پر محظوظ ہوا جائے۔ اس کا علاج یہ ہے آنکھوں کو قابو رکھا جائے، نظر پڑنے پر اسے فورا ہٹالیا جائے۔ خیالات کو پاکیزہ رکھا جائے اور طواف میں ٹکرانے سے بچنے کے لئے احتیاط برتی جائے۔

قرآن مسلمانوں کی وحدت و مساوات پر زور دیتا ہے اور ہر قسم کے امتیازات کے خاتمے کا اعلان کرتا ہے۔ جسے آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر بیان فرمایا:

"يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"[57]

یہ جملے وحدت و یگانگی اور ہم بستگی کی عام دعوت کے لئے ہیں۔ جو امن اور بھائی چارے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسلام ہر فرد کے ضمیر کو مخاطب کرتا ہے اور اس میں مخصوص عقائد، تصورات، اقدار اور اخلاقیات کو راسخ کرتا ہے۔ اسی طرح وہ خاندان کو بھی مخاطب کرتا ہے اور اس کے امن واستحکام اور پائیداری کے لیے مخصوص ہدایات دیتا ہے۔ اس کی توجہ سماجی نکھار پر بھی مرکوز رہتی ہے اور وہ اس کی پاکیزگی کو قائم رکھنے اور اسے برائیوں سے محفوظ کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔

انفرادی امن:

ہر زبان پر آج امن کی چاہت، ہر باشعور امن کا متلاشی، دنیا بھر میں ہزاروں تنظیمیں، امن کے بین الاقوامی ایوارڈز گویا آج ہم سب ہی امن کے متوالے ہیں۔ امن یقیناً جنگ کا نہ ہونا ہی ہے۔ جنگ جس کی گھن گرج بستیوں کو تباہ کرتی ہے اور خلق خدا کو موت کی وادیوں میں سلا دیتی ہے اور پھر آہ وبکا، نوحہ خوانیوں اور مرثیوں کی صورت میں تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے لیکن اصل امن کی شروعات طمانیت قلبی، ذاتی تحفظ اور معاشرتی سکون سے ہوتی ہیں۔ اور اصل جنگ انسان کے دل و دماغ کے مابین جنگ ہے۔ انسان کے وجود کی یہ دو بڑی طاقتیں جب آپس میں میل نہ کھائیں، جب دل اور دماغ دونوں کا رخ مخالف سمت پر ہو تو یہ ایک انفرادی شخصی جنگ کا روپ دھار لیتی ہیں، اور شخصی بے سکونی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ مشاہدے کی باتیں ہیں کہ معاشرتی محرومیوں کے شکار اور عزت نفس سے عاری گھرانوں میں پروان چڑھنے والی شخصیتیں ذہنی دباؤ اور نفسیاتی عوارض میں مبتلا رہتی ہیں، جنکے دل و دماغ کا باہمی ٹکراؤ، ان کے ادھورے پن پر منتج ہوتا ہے۔ ایسی شخصیات نہ صرف اپنے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لئے بھی مضر ثابت ہوتی ہیں جس سے معاشرے میں بد امنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ حقیقت سمجھنا قطعاً مشکل نہیں کہ امن گھر سے نکلتا ہے۔ اس دنیا میں ہر فرد اگر ذہنی طور پر سکون رہے تو اس کا اثر سماج پر بھی پڑے گا۔

امن کے لیے خاندانی اور معاشرتی زندگی ناگزیر:

اسلام نے خاندان کے دائرے میں بھی امن وسکون کی ضمانت دی ہے۔ اس نے مرد اور عورت دونوں کے حدود اور دائرہ کار متعین کیے ہیں۔ اس نے مرد کو خاندان کا نگراں اور محافظ بنایا ہے اور عورت کو گھر اور بچوں کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اس نے شوہر اور بیوی دونوں کے حقوق اور فرائض متعین کر دیے ہیں اور ان کی پاس داری کی تاکید کی ہے۔ اس نے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے باعث سکون قرار دیا ہے۔ اسلام لوگوں کو نکاح سے ہٹ کر کسی بھی قسم کا جنسی تعلق بنانے سے روکتا ہے، خواہ وہ علانیہ ہو یا خفیہ، زنا چاہے بالجبر ہو یا

بالرضاوہ دونوں کو سنگین قرار دیتا ہے اور ان کی سخت ترین سزا تجویز کرتا ہے۔ اسلام کی یہ تعلیمات خاندان اور معاشرے کے استحکام کا سبب بنتی ہیں اور اس کے زیرِ سایہ تمام افراد امن اور سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ آپ کہیے، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالص انہی کے لیے ہوں گی۔ [58]

یاد رہے کہ معاشرے میں بدامنی: اختلاف و انشقاق خیانت، تفرقہ، ناانصافی، فقر و فاقہ، بدعہدی، تعصب اور جبر و اکراہ سے پھیلتی ہے، اس لیے ان کے بارے میں اس طرح کے احکامات نازل فرمائے: "زانی مرد و عورت کو سو درے لگاؤ"، [59] "اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"، [60] "تحقیق اللہ تمہیں امانتوں کو ان کے حق داروں کو لوٹانے کا حکم دیتا ہے"، [61] "صدقات و خیرات فقراء و مساکین کے لئے ہیں"، [62] "اور وعدہ پورا کرو۔ بیشک وعدہ کے بارے میں جواب دہی ہو گی"، [63] اور "دین میں کوئی جبر نہیں"۔ [64]

احترام انسانیت:

عام اسلامی معاشرہ میں امن و سکون کا ماحول قائم کرنے کے لیے جہاں ایک طرف خارجی دشمنوں سے نمٹنے کے بہترین انتظامات کیے گئے تو دوسری طرف داخلی سطح پر تمام اخلاق رذیلہ اور افعال شنیعہ سے نفرت پیدا کی گئی، مثلا: تمسخر، عیب چینی، تنابز بالالقاب، بدگمانی، جستجوئے بے جا اور غیبت اور بلا تحقیق اہم خبروں کی تصدیق اور غیر ثقہ افراد کی خبروں پر اہم اجتاعی فیصلے وغیرہ۔ ایثار، تحمل و بردباری، احترامِ آدمیت پر مبنی درج ذیل آیات میں مذکورہ تعلیمات کو بڑے بلیغ انداز سے بیان کیا گیا ہے:

> ''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا''[65]

> ''اسلام کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں، کیوں کہ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان فضیلت کی بنیاد صرف تقوی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کے درمیان خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ نہ تو کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ ہی کسی عربی کو کسی عجمی پر، بعینہ نہ تو کسی کالے کو کسی گورے پر، اور نہ ہی کسی گورے کو کسی کالے پر، کوئی فضیلت ہے۔ فضیلت کا دار و مدار صرف اور صرف تقویٰ پر ہو گا''[66]

نیز اللہ اور رحم کا واسطہ دے کر انسانی رشتوں کو استوار کرتا ہے، جس کی بنا پر عدم مساوات، قطع رحمی، نفرت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ کے ارتکاب کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ قرآن کے تصورِ امن کے حوالہ سے سورۃ المائدہ کی آیت بڑی اہم ہے۔ اس میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی

اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔"[67] یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کا تصورِ امن ہمہ گیر، ہمہ جہت اور پائدار امن و سلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔

مساوات اور عدل امن کی بنیادیں:

سماج میں بدامنی، انتشار اور فتنہ وفساد، اونچ نیچ یعنی کچھ انسانوں کو افضل اور برتر اور کچھ کو حقیر اور کم تصور کیا جانے لگتا ہے۔ جن لوگوں کو افضل یا برتر سمجھا جاتا ہے، وہ لوگ ہر قسم کے اختیارات اور وسائل پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جن لوگوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے وہ ایسے اختیارات سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ نابرابری ایک دوسرے کے دلوں میں بغض و نفرت پیدا کرتی ہے۔ اسلام نے اس کے حل کے لیے مساوات اور عدل کے عنوان سے دو زریں اصول پیش کیے ہیں۔ اسی طرح اسلام نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ سب کے ساتھ برابری والا معاملہ ہی کیا جائے گا۔ نہ تو کوئی برتر اپنی برتری کے زور پر کسی کمزور کو ستا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کمزور کو اس کی کمزوری کی وجہ سے اس کے حق سے محروم رکھا جا سکتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے لیے سیدھے راستے پر چلنے والے عدل کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی کی عداوت تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ عدل سے ہٹ کر فیصلہ کر بیٹھو۔ عدل کرو، یہ خدا خوفی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"[68] ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "اور جب بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔"[69] روز قیامت لوگوں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس سے سب سے زیادہ قریب عدل پرور حکمراں ہوگا۔

خاندان کے ساتھ ساتھ اسلام پورے سماج کو امن کا گہوارہ بنانے پر بھی توجہ مرکوز کرتا ہے اور ایسی تعلیمات دیتا ہے جن کے ذریعے سماج میں بسنے والے افراد کے حقوق متعین ہوں، ان کے درمیان بھائی چارہ پروان چڑھے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کریں، اور ایسے کاموں سے بچیں جن سے دوسروں کو تکلیف اور نقصان ہو یا وہ بدظن ہوں۔ قرآن و حدیث ایسی تعلیمات سے مزین ہے، فرمایا: "لوگوں سے بھلی بات کہو"۔[70] ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادہ کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو"،[71] "اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ تعالی غفور و رحیم ہے"،[72] "اہلِ ایمان بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کر جاتے ہیں"،[73] "رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں، تم کو سلام"۔[74]

معاشی امن واعتدال:

سماج کی بہت سی برائیاں معاشی میدان میں بے اعتدالی اور عدم توازن کے نتیجے میں جنم لیتی ہیں۔ مال و دولت کی ہوس کی وجہ سے لوگ جائز اور ناجائز کی پروا کیے بغیر مال جمع کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، رشوت ستانی کا بازار گرم ہوتا ہے، سود خوری عام ہوتی ہے، اس طرح کرپشن کو بڑھاوا ملتا ہے اور پورا سماج بدامنی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ اسلام نے کسب معاش کے میدان میں جو تعلیمات دی ہیں وہ لوٹ کھسوٹ، بے ایمانی اور کرپشن پر روک لگاتی اور امن وامان کو فروغ دیتی ہیں، فرمایا: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔"[75] ایک دوسری جگہ فرمایا: "اور مالِ یتیم کے

قریب نہ جا، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔"[76] سورۃ المطففین میں فرمان ہے: "تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں"۔[77] سورۃ النور میں ارشاد ہے: "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک سزا کی خوش خبری دے دو۔"[78]

قرآنی تعلیمات، امن کی ضامن:

قرآنی تعلیمات امن کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ قرآن کے بقول مذہبی جبر کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں۔ ہر شخص کو آزادی ملنی چاہیے کہ وہ جو عقیدہ چاہے رکھے اور جس مذہب کو چاہے مانے۔ قرآن نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے: ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ'' کہ دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں، صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔[79] ہر زمانے میں طاقت ور لوگ کم زوروں پر اپنی مرضی تھوپتے ہیں۔ زمان نزول قرآن میں بھی جو لوگ اللہ پر ایمان لانا اور اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے تھے انہیں سربراوردہ طبقہ کے لوگ اس سے روکتے تھے اور ان پر ظلم وستم کرتے تھے۔ قرآن نے حکم دیا کہ ایسے لوگوں سے جنگ کی جائے اور انہیں فتنہ وفساد سے باز رکھا جائے، فرمایا کہ ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔[80] اسلام ان لوگوں سے جنگ کی اجازت نہیں دیتا جو آمادہ جنگ نہ ہوں اور جو ظلم وستم کا ارتکاب نہ کریں، بلکہ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا ہے، فرمایا: "اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"[81]

حاصل بحث/نتیجہ:

دنیا میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں پیغامِ امن کو عام کیا جائے۔ قرآن کی حقیقی تعلیمات اس حوالے سے بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ قرآن کی حقیقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور اس کی صحیح تشریح تمام لوگوں تک پہنچائی جائے تاکہ کوئی شخص/ادارہ اسلامی تعلیمات کی غلط تشریح کرکے لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا نہ سکے۔ جب قرآنی تعلیمات کی صحیح تشریح عام ہو گی تو کسی غیر مسلم کو بھی یہ جرأت نہیں ہو گی کہ وہ اسلام کے خلاف کوئی آواز اٹھا سکے کیوں کہ اسلام اور قرآن تو امن وسلامتی کا درس دینے والا سچا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو صبر کی تلقین کرتا ہے، انہیں دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا سبق دیتا ہے۔ قرآنی تعلیمات اس بات پر شاہد ہیں کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اسلام ایسے واقعات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دائمی اور حقیقی سلامتی کا تصور قرآن کے نزدیک ایک آئیڈیل زندگی کا تصور ہے۔ اس کے مطابق ہمہ گیر، ہمہ جہت اور ابدی ولازوال سلامتی تو صرف جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کی خواہش مومنانہ خواہش اور اس کے لیے سعی وسبقت کرنا مطلوب ہے۔ اسلام کی تعلیمات، قیام امن کے لیے کلیدی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان پر

عمل کرکے فتنہ وفساد کا خاتمہ ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ نبی اکرمؐ کی قیادت میں قیام امن کا شاندار مظاہرہ دنیائے عالم دیکھ چکی ہے۔ آج بھی اسی فارمولے پر عمل کرکے اصلاح کی جاسکتی ہے اور وہی امن وسکون کا سنہری دور واپس لایا جاسکتا ہے۔ ضرورت اخلاص، ایمان داری اور سنجیدگی کے مظاہرے اور ان پر عمل کی ہے۔

@ 2021 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution CC-BY http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/

1۔ محمد بن مکرم بن علی الافریقی، **لسان العرب** (بیروت: دارالفکر، ۱۹۹۰ء)، ۱۳: ۲۱۔

Muḥammad bin Mukarram al-Afrīqī, *Līsān al-`Arab* (Beirut: Dār al-Fikr, 1990), 13:21.

2احمد رضا، ***معجم متن اللغة***(بیروت: دار مکتبة الحیاۃ، ۱۳۸۰ھ)، ۱: ۲۰۷۔

Aḥ med Raza, ***A Dictionary of Language Texts*** (Beirut: Dār Maktaba al-Hiyāt, 1380 AH), 1:207.

3 حسین بن محمد راغب الاصفہانی، **المفردات في غريب القرآن**، (بیروت: دارالقلم، ۱۴۱۲ھ)، ۹۰۔

Ḥussain bin Muḥ ammad Rāghib al-Asfahānī, *al-Mufradāt fī Gharīb al-Qurān* (Beirut: Dār al-Qalam, 1412 AH), 90.

4البقرۃ: ۱۳۷۔

Al-Baqarah: 137.

5الانعام: ۸۱۔

Al-An`ām: 81.

6یوسف: ۱۷۔

Yūsuf: 17.

7یوسف: ۶۴۔

Yūsuf: 64.

8الحجرات: ۱۳۔

Al-Hujrāt: 13.

9اسماعیل بن عمر بن کثیر، ***تفسیر القرآن العظیم***(بیروت: دار طیبة للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء)، ۷: ۳۸۵۔

Abū al-Fidā Ismāīl bin `Umar ibn e Kathīr, *Tafsīr al-Qurān al-`Azīm*, (Beirut: Taiba House for publishing and distribution, 1999), 7: 385.

10الرعد: ۱۷۔

Al-Ra`d: 17.

11الانفال:۶۱۔

Al-Anfāl: 61.

12البقرۃ:۱۹۴۔

Al-Baqarah: 194.

13فصلت:۳۴۔

Fuṣṣilat: 34.

14الانعام:۱۰۸۔

Al-An`ām: 108.

15البقرۃ:۲۸۵۔

Al-Baqarah: 285.

16یونس:۹۹۔

Yūnas: 99.

17المائدۃ:۸۔

Al-Māida: 8.

18البقرۃ:۱۹۴۔

Al-Baqarah: 194.

19الشوریٰ:۴۳۔

Al-Shurā: 43.

20الشوریٰ:۴۰۔

Al-Shurā: 40.

21الحجرات:۹۔

Al-Hujrāt: 9.

22۔العنکبوت:۶۷۔

Al-`Ankabūt: 67.

23المائدۃ:۶۴۔

Al-Māida: 64.

24الفتح:۱۔

Al-Fatḥ : 1.

25محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ) حدیث: ۱۰۔

Muḥ ammad bin Ismaīl al-Bukhārī, *Al Jāmi` al Ṣ aḥ īḥ* (Beirut: Dār Tawq al-Nijāh, 1422 AH), Ḥadīth # 10.

26 احمد بن حنبل، **المسند**،(القاھرۃ: دار الحدیث، ۱۹۹۵ء)، حدیث: ۶۷۵۳۔

Aḥ mad bin Ḥanbal, *Al-Musnad* (Cairo: Dār al-Ḥadīth, 1995), Ḥadīth # 6753.

27 المائدۃ: ۳۲۔

Al-Māida: 32.

28 محمد بن یزید بن ماجہ، **السنن** (لبنان: دار الرسالۃ العالمیۃ، ۲۰۰۹ء)، حدیث: ۳۹۳۴۔

Abū `Abdullah Muḥ ammad bin Yazīd, Ibn e Mājaḥ , *al-Sunan* (Lebonan: Dār al-Risālah al-`Alamiyyah, 2009), Ḥadīth # 3934.

29 سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، **المعجم الکبیر** (القاھرۃ: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۲۴ھ)، حدیث: ۷۲۶۴۔

Sulaymān bin Aḥ mad bin Ayyūb al-Tabarānī, *Al-Mo`jam al-Kabir* (Cairo: Maktabah Ibn e Taimiyya, 1424 AH), Ḥadīth # 7264.

30 علی بن محمد بن محمد الماوردی، **الحاوی الکبیر** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۹ء)، ۱۴: ۲۲۵۔

`Ali bin Muḥ ammad bin Muḥ ammad bin Ḥabīb al-Māwardī, *Al-Hāwī al-Kabīr* (Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1999), 14: 225.

31 ابن ماجہ، **سنن**، حدیث: ۳۰۷۴۔

Ibn e Mājaḥ , *al-Sunan*, Ḥadīth # 3074.

32 محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۔

Muḥ ammad bin Ismaīl, *Al-Jāmi` al-Ṣ aḥ īḥ* , Ḥadīth # 1.

33 مسلم بن حجاج، **صحیح المسلم**، حدیث: ۱۶۸۰۔

Muslim bin Hajjaj, *al-Ṣ aḥ īḥ* , Ḥadīth # 1680.

34 ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ**، حدیث ۴۲۵۰۔

Ibn e Mājaḥ , *al-Sunan*, Ḥadīth # 4250.

35 المائدۃ: ۳۔

Al-Māida: 3.

36 محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۷۔

Muḥ ammad bin Ismaīl, *Al-Jāmi` al-Ṣaḥīḥ*, Ḥadīth # 7.

37 احمد بن یحیی البلاذری، **جمل من انساب الاشراف** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۶ء)، ۱۱: ۳۲۹۔

Aḥmad bin Yaḥya al-Balāzrī, *Jumal min Ansāb al-Ashraf* (Beirut: Dār al-Fikr, 1996), 11: 329.

38 محمد بن عمر الواقدی، **المغازي** (بیروت: دار الاعلمی، ۱۹۸۹ء)، ۲: ۸۲۱۔

Muḥ ammad bin `Umar al-Wāqdī, *Al-Maghazi* (Beirut: Dār al-A`lami, 1989), 2: 821.

39ابوالحسن السمہودی، **وفاءالوفاء**(بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ)، ۱: ۲۰۷۔

Abu al Hassan al-Samhudi, *Wafa al-Wafa* (Beirut: Dār al-Kutub al-I`lmiyyah, 1419 AH), 1:207.

40محمد بن حبیب، **المحبر** (بیروت: دارالآفاق الجدیدۃ، س.ن.)، ۷۰۔

Muḥ ammad bin Ḥābīb, *Al-Muḥ bar* (Beirut: Dār al-Afāq al-Jadīdah, n.d.), 70.

41البلاذری، **انساب الاشراف**، ۱: ۲۷۰۔

Al-Balāzrī, *Ansāb al-Ashraf,* 1: 270.

42السمہودی، **وفاالوفا**، ۱: ۲٦٦۔

Al-Samhudi, *Wafa al-Wafa,* 1: 266.

43عبدالملک ابن ھشام، **السیرۃالنبویہ** (مصر: شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۹۵۵ء)، ۲: ۱۵۱-۱۵۳۔

Abdul Malik bin Hishām, *A- Sirah al-Nabawiyyah* (Egypt: Shirkah Maktabah wa Maṭ ba′ tul Muṣ ṭ afa al Bābī al Ḥalbī, 1975), 2: 151-153.

44البلاذری، **انساب الاشراف**، ۱: ۲۷۰-۲۷۱۔

Al-Balāzrī, *Ansāb al-Ashraf*, 1: 270-271.

45محمد بن حبیب، **المحبر**، ۱۷، ۵۷۔

Muḥ ammad bin Ḥābīb, **Al-Muḥ bar**, 17, 57.

46محمد بن محمد بن محمد بن احمد، **عیون الأثر فی فنون المغازی**، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۹۳ء)، ۱: ۲۰۰-۲۰۲۔

Muḥ ammad bin Muḥ ammad bin Muḥ ammad bin Aḥ mad, **Ayyun al-Asr fi Funun al-Maghāzi**, (Beirut: Dār al-Qalam, 1993), 1: 200-202.

47الحشر: ۹۔

Al-Ḥashar: 9.

48النساء: ۱۔

Al-Nisā: 1.

49محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۲۔

Muḥ ammad bin Ismāīl, *Al-Jāmi` al-Ṣaḥīḥ*, Ḥadīth # 13.

50الانعام: ۸۲۔

Al-An`ām: 82.

51العنکبوت: ۴۵۔

Al-`Ankabūt: 45.

52المعارج: ۱۹-۲۵۔

Al-Ma`ārij: 19-25.

53البلد: ۱۱-۱۶۔

Al-Balad: 11-16.

54التوبہ: ۱۰۳۔

Al-Tawbah: 103.

55بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۵۰۶۵۔

Muḥammad bin Ismāīl, *Al-Jāmi` al Ṣaḥīḥ*, Ḥadīth # 5065.

56البقرۃ: ۱۹۷۔

Al-Baqarah: 197.

57الحجرات: ۱۳۔

Al-Hujrāt: 13.

58الاعراف: ۳۲۔

Al-A`rāf: 32.

59النور: ۲۔

Al-Nūr: 2.

60الانفال: ۴۶۔

Al-Anfāl: 46.

61النساء: ۵۸۔

Al-Nisā: 58.

62التوبۃ: ۶۰۔

Al-Tawbah: 60.

63الاسراء: ۳۴۔

Al-Isrā: 34.

64البقرۃ: ۲۵۶۔

Al-Baqarah: 256.

65الحجرات: ۱۱-۱۲۔

Al-Ḥujrāt: 11-12.

66احمد بن حنبل، **المسند**، حدیث: ۲۳۴۸۹۔

Aḥmad bin Ḥanbal, *Al-Musnad*, Ḥadīth # 23489.

67المائدۃ: ۳۲۔

Al-Māida: 32.

68المائدۃ: ۸۔

Al-Māida: 8.

69الانعام:۱۵۲۔

Al-An`ām: 152.

70البقرۃ:۸۳۔

Al-Baqarah: 83.

71المائدۃ:۲۔

Al-Māida: 2.

72التغابن:۱۴۔

Al-Taghābun: 14.

73الشوریٰ:۳۷۔

Al-Shūrā: 37.

74الشوریٰ:۳۷۔

Al-Shūrā: 37.

75النساء:۲۹۔

Al-Nisā: 29.

76الانعام:۱۵۲۔

Al-An`ām: 152.

77المطففین:۲-۳۔

Al-muṭ afifīn: 2-3.

78التوبۃ:۳۴۔

Al-Tawbah: 34.

79البقرۃ:۲۵۶۔

Al-Baqarah: 256.

80الانفال:۳۹۔

Al-Anfāl: 39.

81الممتحنۃ:۸۔

Al-Mumtahinah: 8.